اردو افسانے پر عالم گیریت کے اثرات

طاہرہ فاطمہ

اسسٹنٹ پروفیسر اُردو

گورنمنٹ کوئین میری کالج، لاہور

IMPACTS OF GLOBALIZATION ON URDU SHORT STORY

Tahira Fatima
Assistant Professor of Urdu
Govt. Queen Mary College, Lahore

Abstract

Globalization- a postmodern phenomenon-is considered to be one of the most influential phenomena in recent times. In the present age industry, trade, politics, education, business, communication, intelligence, information, and almost all fields of life are highly influenced by Globalization. Most of the world languages are affected by this phenomenon and it has brought many transformations, especially in literature and language by means of content and form. Contemporary Urdu short story is also greatly influenced by Globalization in terms of idea, form, topic, technique and expression. The article focuses on the influence of Globalization on Urdu's short story.

Keywords:

اُردو، افسانہ، عالم گیریت، سائنس، ایجادات، ٹیکنالوجی، انٹرنیٹ

انیسویں اور بیسویں صدی کی سائنسی ترقی مغرب میں روشن خیالی، ذہنی کشادگی اور وسعت نظری لے کر آئی۔ بیسویں صدی میں صنعتی انقلاب کے نتیجے میں سائنسی تعلیم عام ہوئی اور انسان نے تیزی سے ذہنی ارتقا کی منازل طے کیں۔ مواصلات میں ترقی سے فاصلے سمٹ آئے۔ ذرائع آمدورفت اور انفراسٹرکچر کی بہتری سے صنعت و تجارت میں ترقی ہوئی۔ میڈیا اور ذرائع ابلاغ نے سیاسی شعور بےدار کیا۔ سائنسی افکار نے آزادی، حریّت اور احترام آدمیت جیسے تصورات کی آب یاری کی۔ تہذیب و تمدّن نئے سانچوں میں ڈھلنے لگے۔

جدید سائنسی ایجادات کے اثرات کثیر الجہت ہیں۔ سائنس کے مسلمہ حقائق نے بہت سے توہمات اور بے بنیاد تصورات کو زائل کر دیا۔ سائنس نے انسان کو ماحول پر قدرت اور تصرف عطا کیا ہے نتیجتاً آج کا انسان کائنات کے انتظام و انصرام کے عمل میں شریک ہے۔ سائنسی تحقیقات نے کائنات میں انسان کے مقام اور کردار سے متعلق ایک نیا فلسفہ تشکیل دیا ہے۔ یحییٰ نشیط (۱۹۵۰ء) سائنسی ترقی کے تہذیب و تمدن اور اقدار پر اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سائنسی ایجادات و تحقیقات اور انفارمیشن ٹیکنالوجی نے دنیا کو گلوبل ولیج بنادیا ہے۔ اس کی وجہ سے ہماری سماجی و تہذیبی قدریں بدلتی جارہی ہیں۔ بنیاد پرستی کے محلات ہلنے لگے ہیں۔ روایات کہنہ پر عدم اعتمادی کا رُحجان بڑھتا جارہا ہے۔ انسانیت و اخلاقیات کی تعریفیں نئے سرے سے ہونے لگی ہیں۔۔۔۔ منشی پریم چند، علی عباس حسینی، سدرشن اور شر روغیرہ نے ادب کو "سماج اساس" بنا کر ہماری اپنی زندگی کے معاشی و معاشرتی مسائل کو اپنی تخلیقات میں پیش کیا۔ پھر ترقی پسند تحریک کے زیر اثر سماجی مسائل کو دھڑلے سے ادب میں پیش کیا جاتا رہا۔''(۱)

آج سائنس اور ٹیکنالوجی کی نت نئی دریافتوں اور مواصلات کی ترقی نے جغرافیائی اور لسانی امتیازات مٹا کر عالم گیریت کے تصور کو فروغ دیا ہے۔ گلوبلائزیشن، عصرِ حاضر کا ایسا جدید معاشی اور سماجیاتی نظام ہے جس کے تحت دنیا بھر میں یکساں نظام حیات کو فروغ دیا جارہا ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی، الیکٹرانک میڈیا، آزاد تجارت، بین الاقوامی سرمایہ کاری، ذرائع مواصلات، ذرائع نقل و حمل، عالم گیر فرنچائز، فاسٹ فوڈ چین، کارپوریشن اور عالمی تحریکیں عالم گیریت کے اہم مظاہر ہیں۔ عالم گیریت کے

تحت اقوامِ عالم میں فاصلے سمٹ آئے ہیں۔ دنیا کی مختلف اقوام باہمی تعاون اور اشتراک سے ایک دوسرے کے تجربات، تحقیقات، ایجادات اور سہولیات سے مستفید ہو رہی ہیں۔ عالم گیریت کے فروغ میں تراجم نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ رضیہ اسماعیل کے افسانے "قفنس" کے ایک کردار کی زبانی اس موضوع پر یُوں اظہار خیال ملتا ہے:

> "میرے خیال میں کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔ ترجمہ کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے کیوں کہ دوسروں تک اپنا ادبی ورثہ پہنچانے میں ایک ذہنی تعلق (Intellectual Relationship) کے ساتھ ساتھ ثقافتی ہم آہنگی (Cultural Harmony) بھی پیدا ہوتی ہے ہماری تنظیم خود اس پراجیکٹ پر کام شروع کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہے وگرنہ تو ہم کبھی بھی ادبی اور ثقافتی حوالوں سے اس معاشرے میں integrate نہیں ہو سکتے۔"(۲)

عالم گیریت کے تحت سماجی روابط کی دنیا روز بہ روز وسیع ہو رہی ہے اور دنیا سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی لحاظ سے تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آ رہی ہے۔ بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں اٹھنے والی عالم گیریت سے انسانی تاریخ کے ایک نئے عہد کا آغاز ہوا۔ عالم گیریت کو فروغ دینے میں سائنس، ٹیکنالوجی اور جدید علوم و فنون کا کردار بہت اہم ہے۔ آج World Wide Web کے ذریعے گھر میں بیٹھے فوری طور پر دنیا کے کونے کونے سے پیغامات کا تبادلہ کیا جا سکتا ہے۔

انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا کے کسی بھی خطے میں ہونے والے واقعے کے اثرات پلک جھپکتے میں تمام دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ دنیا اب الگ تھلگ حصّوں میں بٹی ہوئی نہیں بل کہ باہم مربوط ہے۔ رابطوں اور پیغامات کی دنیا میں آج ایک انقلابِ عظیم برپا ہو چکا ہے۔ گلوبلائزیشن کے زیر اثر آج اشتہار سازی اور صارفیت کا کلچر اپنے عروج پر ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنی پراڈکٹ کی تشہیر کے لیے عالمی معیار کی منڈیاں تلاش کرتی ہیں۔ کسی شے کی قبولیت میں کمپنی کی ساکھ اور معیار کے علاوہ پیش کش کا انداز بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔

عالم گیریت نے علم کو سرمائے کی حیثیت تفویض کر دی ہے۔ پیداوار کے نئے قدری پیمانے متعارف کرائے ہیں۔ اب صنعت سے مراد سرمائے کی تخلیق کی ٹیکنالوجی ہے۔ صارفیت نے علم کو بھی

تجارت کادرجہ دے دیا ہے۔ پہلے ضرورت کے مطابق اشیاپیدااور فروخت کی جاتی تھیں لیکن اب اشیا کی طلب کی مصنوعی مہم چلائی جاتی ہے۔ صارفیت نے اپنے تجارتی مقاصد کے لیے صارف کی نفسیات سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیر (۱۹۶۵ء) گلوبلائزیشن اور صارفیت کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ عہد وسطیٰ کے جاگیردارانہ عہد میں علم وادب کی سرگرمی تفریح طبع کی خاطر ہوا کرتی تھی مگر صنعتی عہد کے ساتھ ہی Commodification کا عمل شروع ہوا اور آج اپنی غیر معمولی حدوں کو چھو رہا ہے۔ ان حدوں کا دوسرا نام گلوبلائزیشن ہے۔ کیا ہم آج کسی ایسی شے کی نشان دہی کر سکتے ہیں جسے کیموڈیٹی یعنی جنسِ بازار نہ بنایا گیا ہو؟ آج کیا کچھ نہیں بکتا۔۔۔ ہم علم اور معیشت یا علم کی معیشت کے زمانے میں زندہ ہیں۔ رومی ایمپائر، عثمانی ایمپائر، مغل ایمپائر، برٹش ایمپائر کا زمانہ لد گیا۔ اب علم کی عظیم الشان ایمپائر کا زمانہ ہے۔"(۳)

نیّر مسعود (۱۹۳۶۔۲۰۱۷ء) کا افسانہ ''کتاب دار'' اس پہلو کی عمدہ وضاحت کرتا ہے۔ "کتاب دار" افسانے کا اہم کردار ہے جس پر ابھی مادیت کا ملمّع نہیں چڑھا۔ وہ کتابوں سے حقیقی محبت کرتا ہے جب لوگ کتاب خانے میں آنا چھوڑ دیتے ہیں تو وہ کم زور ہو کر قریب المرگ ہو جاتا ہے۔ جب تک علم زندہ رہتا ہے، تہذیب و ثقافت زندہ رہتی ہے۔ آج لوگ ظاہر پرست ہو چکے ہیں۔ انھوں نے کتاب کو بھی دنیاوی جاہ و منصب کے حصول کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ ملک عبدالعزیز "کتاب دار" کو حقیقت پسندی کی تکنیک پر مبنی افسانہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لوگ کتاب کو علم کے حصول کی بہ جائے کسی خاص مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں جو انھیں عام زندگی میں فائدہ دے سکے۔ یہی وجہ ہے کتاب ایک Commodity کا درجہ اختیار کر گئی ہے"۔(۴)

مظہر الاسلام (۱۹۴۹ء) کا افسانہ "بیس برس پرانا اشتہار" بھی عالم گیریت کے دور میں اشتہار سازی کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ صارفیت کے اس دور میں ہر شے کی قدر کا پیمانہ اشتہار ہے۔ پراڈکٹ کا

معیار خواہ کچھ بھی ہو، کسی کمپنی کی کام یابی کی دلیل اشتہار ہے۔ کہانی میں دو مرکزی کردار ہیں ایک لڑکی جو گرافک ڈیزائننگ میں تھیسس کے مرحلے میں ہے اور دوسرا کردار بوڑھے شخص کا ہے۔ "جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ اشتہاروں کی دنیا آباد کرنے میں صرف کر دیا تھا"۔(۵)

لڑکی اپنے تھیسس کی تیاری کے لیے بوڑھے کے پاس گئی۔ بوڑھے کی اپنی زندگی خوب صورت بڑھاپے کے اشتہار کی طرح تھی۔ بوڑھے نے دورانِ ملاقات لڑکی کو بتایا کہ "مجھے ٹھوس باتیں لکھنے اور کہنے کی عادت ہے اس لیے میرے خیال میں دنیا کا سب سے بڑا موضوع جدائی ہے۔۔۔۔یہی وجہ ہے کہ آج بیس برس بعد بھی کچھ کمپنیاں میرے اشتہاروں پر چل رہی ہیں"۔(۶)

بوڑھا اشتہار سازی میں بہت ماہر تھا، بوڑھے کی یہ صلاحیت خداداد تھی اور اس کے بتائے ہوئے اشتہار بہت مقبول ہوئے۔ بوڑھے کے نزدیک اچھا اشتہار وہ ہے جس میں زندگی کا کوئی گہرا فلسفہ مضمر ہو۔ لڑکی نے جب بوڑھے سے اچھے اشتہار کی خوبی پوچھی تو اس نے جواب میں کہا:

> "اچھا اشتہار زندگی کی سچائی کو بیان کرتا ہے۔ یہ زندگی بھی ایک اشتہار ہی ہے اور ہم اس اشتہار کے لفظ ہیں۔۔۔زندہ لفظ۔۔۔جو بولتے ہیں"۔(۷)

گویا صارفیت اور اشتہار سازی کا یہ فلسفہ بہ حیثیت مجموعی پوری زندگی پر منطبق ہوتا ہے، جہاں ہر شے Commodity کا درجہ رکھتی ہے۔ عالم گیریت سے جہاں عالمی کارپوریشنوں مخصوص کمپنیوں اور بالادست قوتوں کی حکم رانی مستحکم ہوتی ہے وہاں درمیانے اور متوسط طبقے کو بھی مرکزی دھارے میں شمولیت کے لامحدود مواقع ملے ہیں۔ معاشی سرگرمیوں میں متوسط طبقے کا حجم بڑھا ہے۔

> ''علم کے ذریعے سرمائے کی تخلیق میں بھی اصولاً کوئی حرج نہیں، حرج اگر ہے تو اس سرمائے اور اس کی پیدائش پر کچھ طبقوں، کمپنیوں ملکوں کے اجارے میں ہے۔۔۔۔ دوسری طرف یہ بھی سچ ہے کہ گلوبلائزیشن کی برکات سے درمیانے طبقے کا حجم بڑھا ہے اور اس کی معاشی صورت حال بھی بہتر ہوئی ہے۔''(۸)

عالم گیریت کے زیر اثر مارکیٹ میں ایک پراڈکٹ کی کئی کئی اقسام آ گئی ہیں جو بڑے بڑے شاپنگ مالز میں زمین سے چھت تک چنی ہوئی ہیں۔ اشیا کے معیار میں بہت بہتری آئی ہے۔ عالم گیریت نے معیار میں بہتری کے ساتھ تنوع کو بھی فروغ دیا ہے اور ملٹی نیشنل کمپنیوں اور آن لائن روزگار کے مواقع سے تجارت اور معاشی سرگرمیوں کو بہت فروغ ملا ہے۔

عالم گیریت کا رجحان تیزی سے دنیا کو ایک ہی کلچر میں ڈھال رہا ہے۔ اسی ورلڈ Electronic World کا تصور تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔ روایتی میڈیا کی جگہ سوشل میڈیا نے لے لی ہے۔ جدید اکانومی میں روزگار کے مواقع کسی پراجیکٹ کی بنیاد پر یا کام کی نوعیت اور مدت کے مطابق فراہم کیے جا رہے ہیں۔ فری لانسنگ کا رجحان تقویت پا رہا ہے اور لوگ گھر بیٹھے لاکھوں کما رہے ہیں۔

عالم گیریت کے اثرات تعلیمی سرگرمیوں پر بھی رونما ہو رہے ہیں۔ اشتراک اسکالرشپس کا اجرا اور کئی تعلیمی، سماجی رابطے کی ویب سائٹس، ڈیجیٹل لائبریری کی سہولت، سیمینارز اور آن لائن ٹیچنگ جیسے ذرائع متعارف کرائے جا چکے ہیں۔ تعلیمی نظام کا بنیادی ڈھانچہ ہی تبدیل ہو چکا ہے۔ دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں مسابقت کی فضا پیدا ہو چکی ہے۔ یونیورسٹیوں کی عالمی رینکنگ سے تحقیقی سرگرمیوں کو فروغ ملا ہے۔ بین الاقوامی تعلیمی اداروں کے تقابل سے یکساں تعلیمی نظام رائج کرنے اور تحقیق کو عالمی پیمانوں کے مطابق ڈھالنے میں مدد ملی ہے۔ سائنسی تحقیق میں اشتراک کا رجحان پروان چڑھ رہا ہے۔

نائن الیون کے بعد ایک نیو ورلڈ آرڈر کی تشکیل کا معاملہ ہو یا کورونا کے زیر اثر پوری دنیا کی تیزی سے متغیر ہوتی ہوئی معاشی صورت حال سب گلوبلائزیشن ہی کے مظاہر ہیں۔ آج کے دور میں بٹ کوائن یا ڈیجیٹل کرنسی کا وجود بھی عالم گیریت ہی کا مظہر ہے۔ عالم گیریت کے تحت دنیا کے بڑے بڑے شہروں اور بالخصوص ترقی یافتہ ممالک کے شہروں میں مخلوط کمیونٹی قائم ہوئی ہے۔ کسی کافی بار، انتظار گاہ یا ریسٹورنٹ میں بیٹھے مختلف قومیتوں کے لوگوں کے گپ شپ اور اشتراک سے ایک عالم گیر معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے۔ کئی ثقافتوں کے ملنے سے ایک ہی ہمہ گیر ثقافت وجود میں آتی ہے۔

> ''ویسپرز ان دی وال"(Whispers in the Wall) کتابچے میں نئے لکھنے والوں کی شعری تحریریں تھیں جن میں مختلف کمیونٹی کے لوگ شامل تھے۔ ان میں انگریزوں کے علاوہ جمکین، افریقن، انڈین، پاکستانی اور بنگلہ دیشی رائٹرز تھے مگر زیادہ تر لکھنے والی خواتین تھیں۔''(ققنس)(۹)

> ''برسر اقتدار طبقے کے پروفیسر، ڈاکٹر، انجینئر، کانفرنسیں اٹینڈ کرنے کے عادی ہوتے ہیں: آج میکسیکو سٹی میں ہیں تو کل موسکو میں۔ ٹوکیو سے نیو یارک اور نیو یارک سے

لندن کرتے کرتے ان کا سال پورا ہو جاتا ہے۔ایک جیسے ساری زندگی کا کام کرنے کے گھوڑے بنے رہتے ہیں اور ہر سال پروموشن نہ ملنے پر خون کے گھونٹ پیتے ہیں۔ جس کا مزہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پتے کے پانی جیسا ہوتا جاتا ہے۔"(پتے کا پانی)(۱۰)

سوشل میڈیا کے ساتھ جہاں آزادی کا تصور وابستہ ہے وہاں کچھ مطلق العنان حکومتیں اور طاقت ور طبقات اسے جاسوسی اور عوام پر نگرانی کے لیے استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بعض کمپنیاں خود یہ ڈیٹا محفوظ کرتی ہیں۔افراد کا یہ ذاتی ڈیٹا ہر وقت ان کی رسائی میں ہوتا ہے۔ جو کسی بھی وقت کسی بھی کام کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔ یہ کمپنیاں کسی فرد کی آمد و رفت اور ہمہ وقتی سرگرمیوں پر پوری طرح نظر رکھ سکتی ہیں۔

جاسوسی کے لیے بھی کئی طرح کے نیٹ ورکس استعمال ہو رہے ہیں۔ ان نیٹ ورکس کے ذریعے مخالفین کی جاسوسی کی جاتی ہے۔ ان سوشل میڈیا چیلنجز پر کنٹرول رکھنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کرتی ہیں۔ خفیہ ریکاڈنگ کرلی جاتی ہیں۔ ہیکنگ کے ذریعے قیمتی اور حساس معلومات چوری کرلی جاتی ہیں۔ سائبر حملوں کے ذریعے حساس ڈیٹا اور سائٹس تک رسائی اور مداخلت سے آج دنیا کو سنگین خطرات لاحق ہیں۔

آئی۔ایم۔ایف، ورلڈ ٹرانسپیرنسی، یورپی یونین، OECD، ایشیا پیسفک اکنامک کواپریشن جیسی تنظیمیں بھی گلوبلائزیشن کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔ جرائم کے سدّباب کے لیے عالمی سطح پر تعاون نیز جنگلی اور فطری حیات کے تحفظ کے لیے بنائے جانے والے قوانین بھی عالم گیریت کے زمرے میں شامل ہیں۔ ثقافتی ورثہ کے تحفظ کا عالمی فورم نیز نوعِ انسانی کے مشترکہ مفاد کے لیے کیے جانے والے معاہدے بھی عالم گیریت کا حصّہ ہیں۔

عالم گیریت کے منفی رُخ میں سمندری اور فضائی آلودگی میں خطرناک حد تک اضافہ شامل ہے نیز فضائی سفر اور تیز رفتار ذرائع آمد و رفت سے وبائی امراض چند ہی روز میں پوری دنیا میں پھیل جاتے ہیں۔ دنیا پر مٹھی بھر کمپنیوں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کی حکم رانی سے دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ روز بہ روز ان کارپوریشنوں کی اجارہ داری مستحکم ہوتی جارہی ہے۔ عالم گیریت کے زیر اثر تشکیل پذیر عالمگیر معاشرے کے نمایاں پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے سہیل احمد خان لکھتے ہیں:

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شمارہ ۱، مسلسل شمارہ: ۳۶۳، سال ۲۰۲۲ء

''درج ذیل امور کو بھی عالم گیریت کا حصہ سمجھنا چاہیے ٹیلی ویژن کی عالم گیر پہنچ، عالم گیر اخبارات، عالم گیر معیشت، بین الاقوامی سماجی تحریکیں، عالم گیر فرنچائز جس کی بہ دولت میکڈونلڈ، کے ایف سی، کوکا کولا، پیپسی کولا وغیرہ جگہ جگہ پہنچ گئے ہیں۔ عالم گیریت کے منفی پہلو بھی ہیں۔ آلودگی بڑھ رہی ہے، ایڈز کا مرض پھیل رہا ہے چوں کہ دنیا میں ہر جگہ تیزی سے پہنچنا ممکن ہو گیا ہے اس لیے وبائی بیماریاں چند روز میں پوری دنیا میں پھیل سکتی ہیں۔''(۱۱)

ان منفی رجحانات کی وجہ سے آج عالم گیریت کو سرمایہ دارانہ نظام اور سامراجیت کا دوسرا روپ بھی قرار دیا جارہا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام طبقاتی تفاوت اور نوآبادیات کی بدلی ہوئی شکلوں کی عکاسی انتظار حسین کے افسانے ''دوسرا گناہ'' میں تمثیلی پیرائے میں کی گئی ہے۔ حرص وہوس، دنیاداری، نام ونمود، خود غرضی اور مفاد پرستی کی تمثیل زمران بادشاہ کے ذریعے سامنے آتی ہے۔ سب عمدہ چیزیں حکم رانوں کا اپنے لیے چُن لینا اور ناکارہ اور خراب چیزیں عوام کے لیے چھوڑ دینا، اپنے لیے شاہ راہیں اور فصلیں اور غربا کے لیے زمین کا تنگ کیے جانا، باریک چھنا ہوا آٹا اپنے لیے اور عوام کے لیے بے چھنے بھوسی کا انتخاب بلند منصب پر فائز حکم ران کی کم ظرفی کی دلیل ہے۔ حکم رانوں کی ناانصافی شہر اور بستیاں اُجاڑ کے رکھ دیتی ہے۔ ڈاکٹر قاضی عابد (و: ۲۰۲۲ء)، انتظار حسین (۱۹۲۳۔۲۰۱۶ء) کے اس افسانے سے متعلق لکھتے ہیں:

''اصطلاحی زبان میں ہم اسے ملوکیت کی طرف ایک قدم قرار دے سکتے ہیں، پھر زمران وہ تمام طور طریقے اختیار کرتا ہے جو اسے سچ مچ کا بادشاہ بنا دیتے ہیں، پھر زمران کے بیٹے کی حرکتیں تاریخ کے کچھ کرداروں کی شکل میں اس افسانے کے آئنے میں دکھائی دیتی ہیں۔''(۱۲)

حکم رانوں کے پالتو جانوروں کے لیے عمدہ خوراک اور غریبوں کا جو کی روٹی کے لیے ترسنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ طبقاتی نظام اور معاشی استحصال نے غریب طبقے کی حالت حیوان سے بھی بدتر کر دی ہے۔ تنگ آ کر غریب عوام وہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں لیکن جب دوسرے شہر میں بھی آٹے کی چھلنی آ جاتی ہے تو یہ استحصال کا گھن چکر پھر سے شروع ہو جاتا ہے۔ گویا وقت اور زمانے کے ساتھ علامتیں بدل

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شمارہ ۱، مسلسل شمارہ: ۳۶۳، سال ۲۰۲۲ء

جاتی ہیں لیکن مفاہیم وہی رہتے ہیں۔عالم گیریت کے استحصالی حربوں اور عالم گیر معیشت کے بارے میں آج یہی کہا جارہا ہے کہ یہ گویا نیا جال ہے جسے پرانے شکاری اُٹھالائے ہیں۔

آج عالم گیریت کی بہ دولت دنیا بھر کے ادب میں موضوعاتی، فکری اور فنی مماثلت دکھائی دیتی ہے۔عالمی حالات و واقعات، تازہ تحقیقات، نت نئی ایجادات اور ادبی تحریکوں سے تمام دنیا کا ادب اثر پذیر ہو رہا ہے۔گلوبلائزیشن نے ادبی شعور کو عالمی تناظر، جدید طرز احساس اور نت نئے موضوعات سے روشناس کرایا ہے۔

''جو ورکشاپس مجھے سب سے زیادہ دل چسپ لگیں ان میں ایک تو خانہ بدوشوں کے گیتوں (Gypsy Songs) کے بارے میں تھی جس میں رومانیہ، سکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ سے خانہ بدوشوں کے روایتی گیت شامل کیے گئے تھے۔''(قفس)(۱۳)

''خیال رہے کہ یورپ اور خاص طور پر برطانیہ میں خانہ بدوشوں کو اب زیادہ مہذب نام سے بلایا جاتا ہے یعنی ٹریولنگ فیملیز:(Travelling Families)''۔(قفس)(۱۴)

''میں نے اس کے بارے میں انٹرنیٹ پر چیک بھی کر لیا ہے، یہ بڑا خاص طریقہ ہے جسے Styling کہتے ہیں۔یہ Clip and grow کا اصول ہے اور سارے غیر ضروری حصّے Prune کر دیتے ہیں۔۔۔یہ لوگ اس کو جیتا جاگتا مجسمّہ اسی لیے کہتے ہیں۔اس درخت کو wiring کے ذریعے یہ رُخ دیا گیا ہے۔۔۔''۔(بونسائی)(۱۵)

''مسٹر لنگ کنگ چوئین ماہر تعمیرات نہیں ہیں۔وہ تو اپنے علم کے حساب سے یہ بتاتے ہیں کہ کوئی مکان یا کوئی بھی عمارت کس زمین پر اور کس رخ سے تعمیر کی جائے کہ وہ اپنے مکینوں کے لیے مبارک ثابت ہو۔مسٹر لنگ جس علم یا فن کے ماہر ہیں اسے چینی زبان میں "فینگ شوئی" کہتے ہیں۔یہ ہزاروں سال پرانا علم ہے جس پر آج بھی اسی شدومد سے عمل کیا جارہا ہے۔چین میں مکانوں، مندروں اور بازاروں، حتیٰ کہ پورے لینڈ سکیپ میں جو توازن پایا جاتا ہے اور پیڑوں، پہاڑوں اور دریاؤں کے ساتھ مکانوں کی جو ہم آہنگی نظر آتی ہے وہ اسی فن سے مدد لینے کا نتیجہ ہے۔''(بیسویں صدی کی آخری کہانی)(۱۶)

''تو یہ ہپیز وغیرہ بھی۔ ہاں ہاں اپنے معاشرے کی رو سے کٹے ہوئے ہیں یہ لوگ، یہ بیمار ہیں یہ کہا جاتا ہے نا لیکن مطلقاً بیمار نہیں ہیں۔ ان کا معاشرہ بیمار ہے۔ یہ تو اس معاشرے کا ناسور ہیں''۔ (شہرِ ناپرساں)(۱۷)

غازیہ شاہد نے مغرب میں ہم جنس پرستی کے بڑھتے ہوئے "گے کلچر" کو افسانے میں سمویا ہے۔ "گولڈن وگ" میں لکھتی ہیں:

> ''ہر تصویر میں وہ ایک خوب صورت عورت کے روپ میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ جدید مغربی Dresses اور جیولری میں وہ بالکل پہچانا نہ جاتا تھا او۔۔۔۔ یہ تو Gay ہے۔ میرے اندر کوئی چیز چھن سے ٹوٹ گئی۔''(۱۸)

عالم گیریت کے تحت مقامی اور علاقائی خصوصیات ختم کر کے دنیا کو ایک ایسی جگہ میں تبدیلی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جہاں یکساں ثقافت رائج ہو۔ عالم گیریت کی ابتدا آزاد منڈیوں سے ہوئی۔ لیکن اب اس نے نہایت برق رفتاری سے زندگی کے ہر شعبے پر اپنا تسلط قائم کر لیا ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی اور ذرائع رسل ورسائل کی ترقی سے خیالات، نظریات اور اطلاعات آن کی آن میں دنیا کے ایک خطّے سے دوسرے خطّے تک منتقل ہو جاتے ہیں۔ آج دنیا کے تمام خطے باہم مربوط ہیں اور دنیا ایک اور اکائی کی صورت اختیار کر گئی ہے جس میں کسی ایک جگہ پیش ہونے والا واقعہ لامحالہ تمام دنیا پر اثر ڈالتا ہے۔

نائن الیون کا واقعہ پوری دنیا کے ساتھ اردو ادب میں بھی بہت گہرے اثرات کا حامل ہے۔ اس واقعے کے بعد دنیا واضح طور پر دو ادوار میں تقسیم ہو گئی۔ اردو افسانے میں بھی نائن الیون کا موضوع بھرپور طریق سے اجاگر کیا گیا ہے۔ مبین مرزا، "دامِ وحشت" میں لکھتے ہیں:

> ''امریکا میں گیارہ ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ ٹاور کے واقعے کے بعد جس طرح دنیا کے حالات تبدیل ہوئے تھے ان کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اب گرین کارڈ لے ہی لینا چاہیے۔''(۱۹)

نغمانہ شیخ، افسانہ "گلوبل ویلج" میں لکھتی ہیں:

> ''دو تین مہینوں سے پین اسٹیشن کے باہر آباد شہر سونا سونا ویران سا لگ رہا ہے۔ انسانوں کے بہتے ہوئے سیلاب کے ریلے میں ٹھہراؤ آ گیا ہے۔ گیارہ ستمبر کے سانحہ کے بعد

سلہٹ کیفے ہاؤس میں پہلے والی رونق نہیں رہی۔ بھیاجی کو زیادہ سیل نہ ہونے کا غم ہے۔ جتنا اپنے مستقل گاہکوں کے اکٹھے بیٹھ کر بحث ومباحثہ، تازہ بین الاقوامی واقعات، حالات اور حادثات پر تبصرہ کرتے ہوئے نظر آنے کا ہے۔''(گلوبل ویلج)(۲۰)

آج دنیا کے مصائب، خوشیاں، مسائل اور ترجیحات یکساں ہیں۔ عالم گیریت کے نتیجے میں دنیابھر کے لوگوں کا رہن سہن، خوراک، لباس اور اشیاے صرف ایک سانچے میں ڈھلتے جارہے ہیں۔ مختلف ممالک ایک دوسرے کی تہذیب واقدار سے واقفیت حاصل کررہے ہیں۔

''اسے اپنے نیویارک کے بزنس کانسلر کی تنبیہ یاد آئی جو اس نے اسے جین آسٹن کا کوئی ناول پیش کرتے ہوئے کی تھی۔ یہ ناول پڑھ لو اور ہندوستانی عورتوں سے ملاقات پر ہمیشہ اتنی جگہ درمیان میں بنائے رکھو کہ ان کے والدین کھڑے ہوسکیں۔'' (مارکیٹ اکانومی)(۲۱)

''انگریزوں کے بارے میں تو مشہور ہے سر"پروفیسر اچت لعل کرم چند نے منہ کھولا ہے۔ "کہ زندہ یامردہ جہاں بھی جاپہنچتے ہیں وہیں اپنا چھوٹا سا انگلینڈ بنالیتے ہیں۔''(طلسم ہوشربا)(۲۲)

''جرمن لوگوں کا وتیرہ ہے کہ جوں ہی کہیں جائیں خواہ وہ مقام سفر ہو، ریسٹورنٹ ہو، کیفے ہو یا کوئی بار حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ انھیں کسی کے ساتھ نہ بیٹھنا پڑے بل کہ ہر کوئی اکیلی وتنہا نشست کا متمنّی ہوتا ہے بڑی تنہائی پسند قوم ہے ایک دوسرے سے تعلقات استوار کرتے ہوئے ان کو کافی قباحت محسوس ہوتی ہے حالاں کہ ان میں تکبر وغرور کا تصور نہیں ہے۔ غالباً یہ مادی معاشرے اور تکنیکی زندگی پر استوار رہنے والے تمدّن کا ردعمل ہے اور اس تنہائی اور خود پسندی کا احیا دو عالم گیر جنگوں کے بعد شروع ہوا۔''(گلوبل ویلج)(۲۳)

عالم گیریت کا تعلق زیادہ تر بڑے شہروں سے ہے۔ کارپوریٹ کمپنیاں بھی زیادہ آمدنی کے لیے سرمایہ کاری کی خاطر ان شہروں کو انتخاب کرتی ہیں جو پہلے سے ہی ترقی یافتہ ہیں۔

''اسمارٹ سٹی ٹیکنالوجیز میں سرمایہ کاری کرنے والی کمپنیوں کی وجہ بھی دنیا کے گنے چنے ۳۰۰ سے ۶۰۰ شہروں پر مرکوز رہتی ہے جو عالمی معیشت کو چلارہے ہیں۔ اسمارٹ سٹی ٹیکنالوجیز کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ انھیں ترقی یافتہ ملکوں کے دولت مند شہروں کو مدنظر رکھ کر تیار کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ترقی پذیر معاشروں میں اکثر انھیں تنقید کا

نشانہ بھی بنایا جاتا ہے، کیوں کہ یہ ٹیکنالوجیز ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مؤثر نہیں ہوتیں۔'' (۲۴)

ریپڈ ٹرانسپورٹ، عوامی مقامات کی جگہوں پر وائی فائی اور انٹر نیٹ کنکشن کی دست یابی، تھری ڈی ٹیکنالوجی، آن لائن خریداری وغیرہ اسمارٹ سٹی پراجیکٹ کا لازمی عنصر ہیں۔ان کمپنیوں نے شہروں میں طبقاتی تقسیم کو مزید ہوا دی ہے۔عطیہ سید، افسانہ "چھ بجے کی خبر میں" لاس اینجلس شہر کی فضاؤں کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''اس جدید ترین کاسموپولیٹن شہر کے وسط میں، جس کے ہوائی اڈے پر ہوائی جہاز قطار اندر قطار اترنے کے لیے بے قرار آسمان پر منڈلا رہے ہیں اور جہاں Genetic Engineers ڈی۔این۔اے کے Molecule کے سربستہ راز کے انکشاف میں محو ہیں۔وہ ازمنہ وسطیٰ کے تاریک زمانوں کے سوالوں کے مہر بند قفل کھولنے میں کیوں مصروف ہے!'' (۲۵)

اس صورت حال کو جدید اصطلاح میں یہ قول مارشل میک لوہن (۱۹۶۰ء) عالمی گاؤں (Global Village) کہا گیا جواب عالمی گاؤں سے بھی مزید سکڑ کر عالمی جھونپڑی (Global Hut) تک پہنچ گیا ہے جہاں دنیا بھر کی معلومات صرف ایک کلک کے فاصلے پر ہیں۔ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

''دنیا کو عالمی گاؤں کہا جاتا ہے بل کہ اب تو عالمی ڈرائنگ روم کہا جانے لگا ہے۔مگر اس میں جو کچھ ہے، مغربی، امریکی ہے۔کسی زمانے میں صرف صوفے افرنگی تھے اور قالین ایرانی ہوا کرتے تھے مگر اب کھانے پینے، پہننے، پڑھنے، وقت کے حساب رکھنے، روزمرہ رابطوں اور معلومات تک رسائی کے ذرائع، نام نہاد قومی پالیسی بنانے، خیالی جنت کا نقشہ تیار کرنے اور جنت ارضی کو لاحق خطرے سے نمٹنے تک کے سب نسخے، طریقے امریکی ہیں۔''(۲۶)

نغمانہ شیخ اپنے افسانے "گلوبل ویلج" میں امریکی معاشرت کو گلوبلائزیشن کا مرکز قرار دیتی ہیں:

''امریکہ کی پالیسیوں پر سخت نکتہ چینی والے لوگ بھی امریکا کی سرزمین پر بھاگے چلے آرہے ہیں۔کیوں کہ پوری دنیا میں امریکا انسانی حقوق کا علم بردار ہے، اس کے نزدیک انسانیت کی قدر پہلا اصول ہے۔۔۔اسی اصول کی پالیسیوں کی وجہ سے گلوبلائزیشن دنیا امریکا کی مٹھی میں ہے۔۔۔سوڈانی اور پولیس والے مائیکل کی امریکا کی پالیسیوں کی خوبیوں و برائیوں کے بارے

میں بحث سے رمیش چندر اور کراچی والا غنی بہت لطف اندوز ہوتے ہیں۔ رمیش چندر کو تاریخ
سے بہت دل چسپی ہے۔"(۲۷)

عالم گیریت نے زندگی کے ہر شعبے میں اختصار اور جامعیت کو فروغ دیا ہے۔ یہ اختصار آج کے دور کی اہم ضرورت بن چکا ہے۔ تھری ڈی ٹیکنالوجی، فائیو جی نیٹ ورکس، نینو ٹیکنالوجی، سمارٹ ڈیوائسز، سی۔ڈیز، یُو۔ایس۔بی اور مائیکرو چپ سب عہد جدید کی اسمارٹ ٹیکنالوجی کے مظاہر ہیں۔ ٹیکنالوجی ہی نہیں زندگی کی ضروریات کا دائرہ بھی مختصر ہو چلا ہے۔ اشیاے صرف ایسی بنائی جارہی ہیں جو زیادہ کار آمد ہوں لیکن جسامت میں انتہائی مختصر اور جگہ بھی نسبتاً کم گھیریں۔ پوری کی پوری لائبریری ایک مختصر ڈسک میں منتقل کی جارہی ہے۔

آج زندگی کے ہر شعبے میں e-Culture کا رواج بڑھ گیا ہے جیسے e-shopping, e-business, e-card, e-mail, e-councilling, e-library جیسی اصطلاحات سننے اور استعمال میں آتی ہیں۔ آج e-book اور e-papers کا دور ہے۔ جاپان میں پودوں کو انتہائی مختصر قامت میں ڈھال کر کمروں کے اندر محفوظ کر لیا گیا ہے۔

آصف فرخی (۱۹۵۹۔۲۰۲۰ء) کا "بونسائی" عالم گیریت کے اختصار کے رجحان پر خفیف طنز کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہانی کے راوی کی بیوی اسے ایک "بونسائی" تحفے میں دیتی ہے۔ وہ ازراہِ مروّت یہ تحفہ شکریے کے ساتھ قبول کر لیتا ہے گو کہ اسے یہ پودا ہمیشہ دور سے ہی بھلا لگتا تھا۔ رات کو جب اس نے بونسائی کی طرف نظر کی تو بونسائی کے بونے پن کا کرب اس کے دل میں سمٹ آیا۔

"اس کی شاخیں ستواں تھیں اور پتے چھدرے۔ اس کا ڈیزائن مکمل تھا، بالکل پرفیکٹ سانچے میں بنائی ہوئی چینی کی مورت کی طرح۔ کھلونے کی طرح۔ اس بونے کی طرح جو بڑھنے سے رہ گیا ہو۔۔۔ وہ گملے میں رورہا تھا مجھے سُنانے کے لیے۔ وہ بلک بلک کر رورہا تھا۔۔۔"(۲۸)

اس لمحے اسے بونسائی اور اپنی ذات میں گہرا قرب اور مماثلت محسوس ہوئی:

"تب میں نے جان لیا۔ میں نے دونوں گھٹنے جوڑ لیے اور ہاتھ اندر کی طرف سمیٹ لیے۔ مجھے کم سے کم جگہ گھیرنا چاہیے اور غیر ضروری حصّوں کو چھنٹوا دینا چاہیے۔"(۲۹)

''مگر میرے تار مت کھول دینا۔ میری (Seasoning) ہو رہی ہے۔ میں ابھی پورا نہیں ہوا۔'' (۳۰)

عہدِ حاضر کا ہر شخص اسی آشوب میں مبتلا ہے۔ وہ ذات کی عدم تکمیل کے احساس سے دوچار ہے، وقت اور جگہ کی کمی کے مسائل سے دوچار ہے۔ اسمارٹ کلچر میں اسے اپنی ذات کی قطع و برید اور تحدید ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ گلوبلائزیشن کے منفی پہلوؤں میں سے ایک وباؤں کا عالم گیر پھیلاؤ بھی ہے۔ عصرِ حاضر میں کووڈ۔۱۹ نے اقوامِ عالم کی حد سے بڑھتی ہوئے قربت کے رجحانات کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک اب اپنی سرحدوں تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس سے دنیا میں یہ احساس اجاگر ہوا ہے کہ اپنی بقا اور تحفّظ کے لیے ایک مخصوص فاصلہ ضروری ہے۔ غیر ضروری سفروں پر پابندی نے دنیا کے مختلف خطّوں کو اپنے حصار میں سمٹنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس سے فضائی آلودگی میں کمی آئی ہے اور زمینی وسائل پر پڑنے والا بے تحاشا بوجھ بھی گھٹ گیا ہے۔

عالم گیریت کے اس رجحان نے زبان و ادب کو بھی متاثر کیا ہے۔ دنیا بھر کے ادب میں فکر و فن کے اعتبار سے ایک مخصوص یکسانیت فروغ پا رہی ہے۔ یہ رُجحان مقامی ادب کے لیے بڑا خطرہ ہے۔ عالم گیریت نے مقامی علاقائی ادب کے مختلف ذائقوں، رنگوں اور اختلاف کو یک رنگی میں بدل دیا ہے۔ اسی طرح کسی خاص تہذیب سے جنم لینے والے ادب کی منفرد خصوصیات بھی گلوبلائزیشن کے اثرات تلے دب کر رہ گئی ہیں۔

لسانی تنوع کے خاتمے کا یہ رجحان کلچر اور بالخصوص کلچر کے تحریری اور فوک عناصر کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ ناصر عباس نیّر گلوبلائزیشن کے اس طور کو لسانی یکسانیت کے نام پر "لسانی بربریت" قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک گلوبلائزیشن اپنے جواز اور استحکام کے لیے ایک عالمی زبان کو ناگزیر سمجھتی ہے۔

محمد عرفان احسن پاشا (۱۹۷۷ء) لکھتے ہیں:

''دنیا بھر ایک زبان رائج کرنے کے حوالے سے ایک کوشش "اسپرانتو" زبان کی تخلیق کی صورت میں کی گئی ہے لیکن یہ اپنی کچھ کم مائیگیوں کی وجہ سے زیادہ کام یاب نہیں ہوئی۔'' (۳۱)

عالم گیریت زبان کو ایک آئیڈیالوجی کے طور پر پیش کرتی ہے، جس کا نتیجہ ایک زبان کی آمریت ہے۔ گلوبلائزیشن کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ایک زبان کا خاتمہ، ایک کلچر کا خاتمہ ہے۔ فکشن میں انگریزی اور بدیسی زبانوں کے الفاظ، بین الاقوامی ربط ضبط کی عکاسی انگریزی الفاظ، علمی اصطلاحات، مخلوط تہذیب اور معاشرت کی عکاسی سے زبان و بیان کا دائرہ بہت وسیع ہوا ہے۔ ناصر عباس نیّر عالمی زبان کی حیثیت سے انگریزی کی نمایاں حیثیت کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''گلوبلائزیشن کی عالمی زبان انگریزی ہے۔ انگریزی کو یہ حیثیت برطانوی نوآبادیات کے تحت ملی ہے۔۔۔ نوآبادیات سے شاید ہی کسی زبان نے مقامی زبانوں کو یکسر ختم کیا ہو، یا انھیں حاشیائی کردار تفویض کیا ہو۔۔۔ لسانی استعماریت کا مطلب زبانوں کے درمیان غیر مساویانہ رشتے ہیں؛ ایک زبان کی طاقت اور برتری دوسری زبانوں کی زبوں حالی کی قیمت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ یہاں انگریزی، علم، اقتدار کی زبان اور سماجی مرتبے کی علامت بنی ہے۔ گلوبلائزیشن کی وجہ سے انگریزی کے نوآبادیاتی کردار میں ایک نئی جہت پیدا ہوئی ہے۔'' (۳۲)

اردو افسانے میں مخلوط زبان کے استعمال کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں خصوصاً اسد محمد خاں (۱۹۳۲ء)، قرۃ العین حیدر (۱۹۲۷۔۲۰۰۷ء) اور جدید دور کے افسانہ نویسوں کے ہاں انگریزی اردو، مخلوط صورت میں پیش کرنے کا رجحان نمایاں ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

> ''ہم سب یہاں، طوفان کے مرکز میں موجود ہیں جہاں شانتی اور unruffled peace ہے۔ ابھی یہیں ہیں ہم، ٹامسن اینڈ ٹامسن کے فٹ پاتھ سے گئے نہیں۔''
> (غصّے کی نئی فصل)(۳۳)

شبہ طراز کے افسانہ "بے انت" کا ذیل کا اقتباس بھی مخلوط زبان کے استعمال کی مثال ہے:

> ''Un-wanted۔۔۔ سب کچھ Un-wanted تھا۔ وہ نئے باب میں بلاحیثیت داخل ہوئی۔ اس کا کوئی کردار چنا ہی نہیں گیا۔ Rejection تمام تر سپردگی کے باوجود ایک بہت بڑی "نہیں" اس کی نفی کو ہر دم تیار رہتی۔ وہ جینے کی کوشش کرتی لیکن طنزیہ ہنسی، تضحیک اور Ignorance اس کی زندگی کا گراف غیر متوازن کردیتے۔''(بے انت)(۳۳)

آصف فرخی کے افسانہ "بونسائی" کا ذیل کا اقتباس بھی ملاحظہ ہو:

''تم نے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ اس کو باقاعدہ کلٹی ویٹ کرتے ہیں اور اس کی کوئی میٹافزیکل سگنی فکنس ہوتی ہے۔اینڈ سم تھنگ آف دیٹ سورٹ۔''(بونسائی)(۳۵)

اِسی طرح رومن رسم الخط کا استعمال بھی اردو افسانے میں دکھائی دیتا ہے۔

''ھو آر یو پیپل۔''(قلارے)(۳۶)

''فار گاڈز سیک ڈونٹ ڈو دس!۔''(قلارے)(۳۷)

''دی انگلش مین از این انگلش مین ایوری ویئر۔''(طلسم ہوشربا)(۳۸)

بیرونی اصطلاحات کے استعمال کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کو مؤرد کر لیا جاتا ہے یعنی ان کو اردو الفاظ کی شکل دے دی جاتی ہے۔Montage کو مونتاژ Collage کو، کولاژ Sabotage کو سبوتاژ Hospital سے ہسپتال اور بعد ازاں اسپتال towel سے تولیہ وغیرہ۔

بیرونی الفاظ اور بالخصوص اصطلاحات کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن کو ہم نے نہ تو ترجمہ کیا ہے اور نہ ہی ان کی کوئی مؤرد شکل بنائی ہے لیکن ہم نے انھیں جوں کا توں اپنی زبان میں داخل کر لیا ہے اور آج ان کا استعمال اتنا بڑھ گیا ہے کہ ہمیں وہ اجنبی یا دوسری زبانوں کے الفاظ محسوس نہیں ہوتے۔ مثلاً ٹرک(Truck)، انٹرنیٹ(Iternet)، ویب سائٹ(website)، برگر(Burger)، پنسل(Pencil)، سکول (School)، فوٹو گرافی(Photography) وغیرہ۔ ہمارے ہاں ایسے مرکب افعال کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے جس میں انگریزی اور اردو افعال کو ملا کر ایک نیا فعل تخلیق کر لیا جاتا ہے۔ جیسے چینج کرنا، پے کرنا، ڈیلیٹ کرنا، بور ہونا، ٹیز ہونا، کال کرنا، میسج کرنا وغیرہ۔

شبہ طراز نے اپنے افسانے "ہم کھڑے ہیں وہیں" میں ایک بین الاقوامی زبان کو "گلوبل ویلج" کی اساسی ضرورت قرار دیا۔افسانے کی مرکزی کردار مونا صفدر علی، ایک این۔جی۔او میں کام کرتی ہے۔ وہ "گلوبل ویلج کے لسانی مسائل" پر ایک عالمی کانفرنس سے فراغت کے بعد کانفرنس کے مندرجات پر غور کرتی ہے:

''گلوبل ویلج میں موجود لسانی مسائل پر مقالے پڑھے گئے تھے اور یہ ثابت کیا گیا تھا کہ دنیا بھر کے درد و غم اور مسائل ایک سے ہیں لیکن خطوں کی زبانیں مختلف ہونے کی وجہ

سے ایک جگہ کے لوگ دوسری جگہ کے لوگوں سے جذباتی وابستگی کے باوجود آسانی سے Communicate نہیں کر پا رہے۔ اور پھر دنیا بھر میں ایک زبان یعنی Global Language کے رائج ہو جانے کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی تھی۔"(۳۹)

مونا صفدر علی ٹی وی آن کر کے "گرما گرم خبریں" سنتی ہے۔ مختلف ممالک کے اندرونی خلفشار، جنگوں، بیرونی مداخلت اور اقوامِ عالم کی باہمی چپقلش سے گلوبل ویلج کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ یہ صورت حال انتہائی مایوس کن ہے:

"جہاں جنگیں ختم ہو چکی تھیں وہاں سے اجتماعی قبریں برآمد ہو رہی تھیں۔۔۔ اب خواہشیں، خواب اور منصوبے ہیں جو ان حنوط ہوئے لمحوں میں سے نکل رہے ہیں اور دوسری جانب خوشیاں ہیں، خوش حالی ہے، بے فکری اور مستی ہے، یہاں غم کا گزر نہیں ہے۔۔۔ تنگ دستی کس بلا کو کہتے ہیں فیشن شوز سوچنے ہی نہیں دیتے۔ مستقبل کے اندیشے کیسے ہوتے ہیں۔ روشنیوں کا سیلاب دیکھنے ہی نہیں دیتا۔ زیادہ چمک نابینا کر دیتی ہے ناں۔"(۴۰)

تضاد، دو عملی اور منافقت عالم گیریت کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ افسانے میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ تہذیبی آویزش اور تعصب کی جڑیں بہت گہری ہیں اور تمام تہذیبی، سائنسی ترقی کے باوجود انسان کے لیے قدیم سوچ سے چھٹکارا پانا آسان نہیں ہے۔

اُردو ادب میں زبان و بیان کی تبدیلیاں، فنی اور ہیئتی تصرفات اور کئی نئی اصناف کا ظہور بھی عالم گیریت کے توسط سے ہوا ہے۔ بہ قول محمد عرفان احسن پاشا:

"۔۔۔ نثری ادب میں گلوبلائزیشن کی وجہ سے جدید علوم، تہذیبوں کا تصادم، جنگیں، دہشت گردی، جدید طرزِ حیات، سائنسی شعور، تیسری دنیا کا اضطراب، حصول معاش، مزاحمت، عالمی حالات و واقعات، معاشرتی تقلیب، عالمی ادب سے جڑت، ماحولیات، عالمی خوراک، جنس، تاریخ کی بازیافت جیسے موضوعات بھی بہت اہم ہیں جن کی موجودگی سے اُردو ادب کا عالمی معاشرے سے ربط بنتا ہے اور عالم گیریت کی صورت

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شمارہ ۱، مسلسل شمارہ: ۳۶۳، سال ۲۰۲۲ء

گری ہوئی ہے۔اس طرح اُردو فکشن اور تنقید کو وہ وسعت حاصل ہوئی ہے جو عہد جدید میں وقت کی اہم ضرورت ہے۔"(۴۱)

عالم گیریت کا رجحان چوں کہ جدید سائنسی ایجادات اور ٹیکنالوجی کا مرہون منت ہے لہٰذا اس میں سائنسی طرزِ فکر کی بیشتر خوبیاں موجود ہیں۔گلوبلائزیشن روایت کی جگہ جدّت، داخل کی جگہ خارج، روحانیت کی بہ جائے مادیت، مذہب کی جگہ عقلیت اور مابعد الطبیعیات کی جگہ ٹھوس حقائق کو دیتی ہے۔ گلوبلائزیشن نے عصرِ حاضر کے جدید ترزُحجانات سے استفادہ کرتے ہوئے تہذیب، معیشت، معاشرت اور زبان و ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ لسانی سطح پر زبان کی تبدیلیاں اور کئی نئے ساختیے، گلوبلائزیشن کی وجہ سے زبان کا حصّہ بنے۔گلوبلائزیشن کے اثرات آج کے اردو افسانے میں فکری اور فنی ہر دو سطح پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) سید یحییٰ نشیط،"ادب میں سائنسی، سماجیاتی، تہذیبی اور مابعد الطبیعاتی سطحوں پر نئی تبدیلیوں کو قبولنے کا رجحان"، در مخزن، مرتبہ: مقصود الٰہی شیخ، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ۱۸۔

(۲) رضیہ اسماعیل، آدھی چادر، (لاہور: بک ہوم، ۲۰۱۶ء)، ۲۳۲۔

(۳) ناصر عباس نیرّ،"عالمگیریت اور اردو کا مستقبل۔ لسانی تناظر"، در سنڈے میگزین روزنامہ نوائے وقت، (لاہور: ۱۲، اکتوبر ۲۰۱۴ء)، ۱۰۔

(۴) عبدالعزیز ملک، اُردو افسانے میں جادوئی حقیقت نگاری، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۴ء)، ۱۸۴۔

(۵) مظہر الاسلام، باتوں کی بارش میں بھیگتی لڑکی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ۱۲۹۔

(۶) ایضاً، ۱۳۱۔

(۷) ایضاً، ۱۳۲۔

(۸) ناصر عباس نیرّ،"عالمگیریت اور اردو کا مستقبل۔ لسانی تناظر"، در سنڈے میگزین روزنامہ نوائے وقت، (لاہور: ۱۲، اکتوبر ۲۰۱۴ء)، ۱۰۔

(۹) رضیہ اسماعیل، آدھی چادر، (لاہور: بک ہوم، ۲۰۱۶ء)، ۲۲۱۔

(۱۰) حسن منظر، انسان کا دیش، (لاہور: سلیم تنویر پرنٹرز، ۱۹۹۱ء)، ۶۴۔

(۱۱) سہیل احمد خان، مجموعہ سہیل احمد خان، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ۹۹۔۱۰۰۔

(۱۲) ڈاکٹر قاضی عابد، اُردو افسانہ اور اساطیر، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۹ء)، ۱۸۲۔

(۱۳) رضیہ اسماعیل، آدھی چادر، (لاہور: بک ہوم، ۲۰۱۶ء)، ۲۲۶۔

(۱۴) ایضاً، ۲۲۶۔

(۱۵) آصف فرخی، سمندر کی چوری، مرتبہ: عرفان جاوید، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ۲۷۹۔

(۱۶) مسعود اشعر، اپنا گھر، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ۱۴۷۔

(۱۷) آغا سہیل، "شہر ناپرساں"، مشمولہ پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء-۲۰۰۸ء، (انتخاب افسانہ اُردو)، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۰۹ء)، ۲۱۹۔

(۱۸) غازیہ شاہد، گھن لگے دریچے، (لاہور: اظہار سنز، ۲۰۰۸ء)، ۱۱۵۔

(۱۹) مبین مرزا، خوف کے آسمان تلے، (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۴ء)، ۷۷۔

(۲۰) نغمانہ شیخ، "گلوبل ولیج"، مشمولہ مغرب میں اُردو افسانہ، مرتبہ: ڈاکٹر سید سعید نقوی، (کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ۵۴۸۔

(۲۱) جوگندر پال، جوگندر پال کی کہانیاں، (دہلی: تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۰۵ء)، ۱۹۶۔۱۹۷۔

(۲۲) جوگندر پال، بستیاں، (دہلی: اُردو اکادمی، ۲۰۰۰ء)، ۱۰۲۔

(۲۳) نیّر اقبال علوی، جہاں رنگ و بو، (لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز، طبع دوم، ۲۰۰۵ء)، ۲۸۔

(۲۴) لیاقت علی جتوئی، "ترقی پذیر ممالک میں 'جدید شہروں' کا تصور"، در روزنامہ جنگ، (لاہور: ۹ دسمبر ۲۰۱۸ء)، xi۔

(۲۵) عطیہ سید، خزاں میں کونپل، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ۱۲۵۔

(۲۶) ناصر عباس نیّر، "عالمگیریت اور اُردو کا مستقبل۔ لسانی تناظر"، در سنڈے میگزین روزنامہ نوائے وقت، (لاہور: ۱۲، اکتوبر ۲۰۱۴ء)، ۱۰۔

(۲۷) نغمانہ شیخ، "گلوبل ولیج"، مشمولہ مغرب میں اُردو افسانہ، مرتبہ: ڈاکٹر سید سعید نقوی، (کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ۵۴۶۔

(۲۸) آصف فرخی، سمندر کی چوری، مرتبہ: عرفان جاوید، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ۲۷۹۔

(۲۹) ایضاً، ۲۸۰۔

(۳۰) ایضاً، ۲۸۰۔

(۳۱) محمد عرفان احسن پاشا، "عالمگیریت کے زبان اور ادب پر اثرات"، در تحقیق نامہ، مدیر: ڈاکٹر محمد ہارون قادر، (لاہور: جی سی یونیورسٹی، جنوری تاجون ۲۰۱۴ء، شمارہ ۱۴)،۱۴۵۔

(۳۲) ناصر عباس نیرّ، "عالمگیریت اور اردو کا مستقبل- لسانی تناظر"، در سنڈے میگزین روزنامہ نوائے وقت، (لاہور: ۱۲، اکتوبر ۲۰۱۴ء)،۱۱۔

(۳۳) اسد محمد خاں، غصے کی نئی فصل، (لاہور: القا پبلیکیشنز، طبع دوم،۲۰۱۳ء)،۱۳۳۔

(۳۴) شبہ طراز، درد کا لمس، (لاہور: عزیز پبلشرز،۲۰۰۷ء)،۱۰۰۔

(۳۵) آصف فرخی، سمندر کی چوری، مرتبہ: عرفان جاوید، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰ء)،۲۷۴۔

(۳۶) اشفاق احمد، طلسم ہوش افزا، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۸ء)،۹۱۔

(۳۷) ایضاً،۹۱۔

(۳۸) جوگندر پال، بستیاں، (دہلی: اردو اکادمی،۲۰۰۰ء)،۱۰۲۔

(۳۹) شبہ طراز، درد کا لمس، (لاہور: عزیز پبلشرز،۲۰۰۷ء)،۷۷۔

(۴۰) ایضاً،۷۹۔

(۴۱) محمد عرفان احسن پاشا، "اردو ادب اور گلوبلائزیشن ایک تجزیاتی مطالعہ"، در اورینٹل کالج میگزین، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۳ءء، شمارہ ۴، جلد ۸۸، شمارہ مسلسل ۳۳۰)،۱۸۰۔۱۸۱۔

❖❖❖